ہوالکل

یامعین

پھکنی

اور

دست پناہ

جس کو

ادیب المشائخ مصور فطرت حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ دہلوی

نے تحریر فرمایا

اور

احمد وجودی مالک نظامیہ بکڈپو و خواجہ پریس نے اپنے

خواجہ پریس بٹالہ میں چھاپا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پھکنی اور دست پناہ

خانہ داری کی زندگی میں کون ایسا کھاتا پیتا آدمی ہو گا جس نے پھکنی اور دست پناہ نہ دیکھا ہو۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہر خانہ دار آدمی پکانے والی ماما ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس گھر ہے۔ تو چولھا ضرور ہوگا۔ اور چولھا ہوا تو ان دو شریف زادو ہستیوں سے سابقہ پڑنا لازمی ہے۔

ایک کا سلسلہ نسب صحرائے سنسان سے ہے۔ دوسرا کوہستان آہن جگر کا لخت دل ہے پھکنی بانس سے بنتی ہے۔ یہ فیٹ بھر کا ایک پتلا ہے۔ دو منہ خالی پیٹ۔ مساوی الجسم۔

دست پناہ لوہے سے تیار ہوتا ہے۔ کسی کا قد ڈیڑھ فیٹ۔ کوئی اس سے کم کوئی آدھے سے بھی چھوٹا۔ اسکے وجود میں سوائے دو ہاتھوں کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

کوئی شک کرے تو اسے اختیار ہے۔ میں تو ان دونو کو اصل نسل شریف زاد

کہونگا اور مانونگا۔ بانس کے تو نام میں شرافت اُنس کی پھانس لگی نظر آتی ہے۔ مولانا معنوی کی مثنوی کا پہلا شعر جس وجود کے ذکر سے شروع ہوتا ہے وہ "نے" ہے۔ اور نے حضرت بانس ہی کی دختر عشق اختر ہیں۔ بانس کے بیٹے برچھیوں، بھالوں اور تیروں کی پشت پنہ بنتے ہیں۔ بے ہتھیار جنگ بازوں کے ہاتھ میں لکڑی بنکر کام دیتے ہیں۔ کمانوں اور تیروں کی شکل اختیار کر کے کلیجے اور سینے چھیدتے ہیں۔ دلھن کی پالکی اور میّت کا جنازہ اٹھاتے ہیں۔ اور بیٹیاں بانسلیاں بنکر نغمے گاتی ہیں۔ اشرف المخلوق آدم زاد کو بے خود مدہوش بناتی ہیں۔

یہ بانس ہی کی شرافت ہے۔ کہ جسم سوراخدار ہو جائے۔ ناداں میں عیب دار کہلائے۔ مگر وہ ایسی صوت سرمدی سنائے کہ عقلیں وجد کرنے لگیں۔ دنیا میں شریف انسان پر جب بپتا پڑتی ہے تو وہ ہمت ہار جاتا ہے۔ بانس کی دختر چاک سینہ۔ چاک دل۔ چاک جگر۔ لیکن ہر وقت شاداں و فرحاں۔ کیا مجال کہ کوئی اسکے منہ پر منہ رکھے اور یہ کھلکھلا کر ہنس نہ پڑے اور مستی کے سخن نہ سنانے لگے۔

یہ تمہارا خیال ہے کہ بانس زادی کی صدا میں دلگیری و اداسی محسوس کر کے نالہ و فریاد اسکا نام رکھو اور جدائی کے شکوہ شکایت کا پہلو اس سے نکالو۔ وہ تو اپنے زخم لئے جسم کی ذرا بھی پروا نہیں کرتی۔ اسکو تو اپنی بریدگی کا کچھ بھی گلہ نہیں ہے۔

پھکنی بھی بانسری کی بہن ہے۔ مگر ذرا بھدی ہے۔ ذرا موٹی ہے۔ نہ سینہ چاک نہ دل چاک۔ نہ جگر چاک۔ نہ کھائے نہ پیئے۔ نہ سوئے نہ جاگے۔ بے سخن ذات ہے۔ بانسلی کی طرح گویا نہیں ہے۔ اسکی نوا سے کوئی ساکت دخاموش نہیں ہوتا۔ بچاری میلے باورچی خانہ میں چپ چاپ پڑی رہتی ہے۔ "پکلانے والی" کی دمساز ہے۔ وہ جب آگ جلانا اور نفخ الدم سے اسکو بھر کر گانا چاہتی ہے۔ تو یہ اس کے منہ کو آگ کے پاس نہیں جانے دیتی۔ بیچ میں اجنبی بنتی ہے۔ وسیلہ اور ذریعہ بنجاتی ہے۔ اپنی بجوی ساہیلی کی پھونک کو اپنے پاس پراگندہ نہیں ہونے دیتی۔ اپنے دل میں سمیٹ کر جمع کرتی ہے۔ اور

آگ کے منہ سے منہ ملا کر وہ ساری پھونک سینۂ آتش میں بھر دیتی ہے۔

اب کوئی یہ کہے کہ آگ لگانے والے اور شعلے بھڑکانے والے آدمی بھی ایسے ہی گھنے۔ میسنے۔ بے سخن غریب نما ہوا کرتے ہیں۔ جیسے پھکنی۔ تو میں اس میں دخل نہ دونگا۔ ہر شخص کو اپنی رائے کا اختیار ہے۔ مجھے تو پھکنی کے کام سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ کہ آدمی بھی جس کی تابعداری اختیار کرے اسکے ایسے ہی کام آئے۔ جیسے پھکنی باورچن کے آیا کرتی ہے۔ کہ خود آگ میں منہ ڈال دیتی ہے۔ باورچن کے منہ کو وہاں جانے نہیں دیتی۔ پکانے والی ماما ہنڈیا میں سے بوٹیاں نکال کر کھا جائے، شوربے کا تار تار کرنی لے۔ پھکنی کبھی اسکا عیب کسی کے سامنے نہ کہیگی۔ کبھی ایسا نہ ہوگا۔ کہ وہ اپنی ہمنشین اور منہ لگانے والی کا پردہ فاش کرے۔ حالانکہ آدمی اکثر اسکے خلاف کرتے ہیں۔ اور دوستوں کے عیب بیان کرکے اپنی آدمیت پر بٹہ لگاتے ہیں۔

دست پناہ لوہے سے بنا۔ اور لوہا اس زمانہ میں ہزار شریفوں کا ایک شریف ہے۔ تانبا اس کے سامنے ردی۔ چاندی اسکے مقابلہ میں ہیچ۔ یہانتک کہ سونا جس کی قدر سب دھاتوں سے زیادہ ہوتی تھی۔ لوہے کی قدر قیمت کے آگے مات ہوگیا۔ آج جو شان لوہے کی ہے وہ نہ ہیرے کی نہ موتی کی۔ زمرد کی نہ لعل کی۔ یہی لوہا ہے جو گھڑی کی بال کمانی اور فنر کی شکل میں سونے کے بھاؤ بکتا ہے۔ یہی لوہا ہے جس سے ریل چلتی ہے۔ انجن ...ے بڑے شریف زاد آدمیوں کو کمر سے باندھے اڑائے اڑائے لئے پھرتا ہے۔ اسی کے دم سے انسانوں کی رزم بزم آراستہ ہے۔ توپیں۔ سنگینیں سب اسی لوہے کی برادری والے ہیں۔

اگلے زمانہ میں بزم ادب پھکنی کے خاندان سے آباد تھی۔ یعنے قلم بانس کی ایک قسم سے بنائے جاتے تھے۔ اب یہ رواج جاتا رہا۔ اور قلم بھی لوہے سے بننے لگے۔ اور اس میں یہانتک ترقی ہوئی۔ کہ ایک امریکن نے حساب لگایا۔ تو معلوم ہوا کہ دنیا میں جتنا لوہا قلم بنانے میں خرچ ہوتا ہے۔ آتنا

توپ۔ بندوق میں نہیں لگتا۔ گویا لوہے نے بزم کو رزم سے بڑھا دیا۔ ورنہ اہل رزم ہمیشہ بزم والوں سے فوقیت کا دعوائے کیا کرتے تھے۔

پس جب لوہے اور بانس انسانی شرافت کے دو بڑے کاموں رزم بزم سے ایسے وابستہ ہیں۔ تو پھر پھکنی دست پناہ کے شریف زاد ہونے میں کون کلام کر سکتا ہے؟

کسی پکانے والے۔ کسی حقہ کی چلم بھرنے والے سے پوچھئے۔ کہ کیوں جناب! آپکی دست پناہ کے بارے میں کیا رائے ہے۔ وہ شریف زاد ہے یا نہیں؟ تو فوراً جواب دیگا۔ کیوں نہیں جناب یہ بچارا درحقیقت شریف ابن شریف۔ نجیب ابن نجیب۔ اسکا نام "ہاتھ کی پناہ" بالکل سچا رکھا گیا ہے۔ میرے کارن بلا تامل آگ میں گھس جاتا ہے۔ اور ایسا چستی اور صفائی سے کام کرتا ہے۔ کہ میرے ہاتھ کی چٹکی بھی نہ کرسکتی۔ اور اگر کسی صوفی صاحب سے پوچھو۔ تو وہ اِلّا اللہ کا نعرہ لگا کر جھومنے لگیں۔ اور اسکے بعد کہیں گے۔ کہ اگر آدمی شریف زاد ہے۔ تو دست پناہ بھی شریف زاد۔ نہ اُو غیر است نہ ایں غیر است۔ ہاتھ کی حرکت بالذات ہے۔ بالارادہ ہے۔ بااختیار ہے۔ اور دست پناہ ہاتھ کے تابع ہے۔ مگر عمل و حرکت میں سراپا ہاتھ ہے۔ ہاتھ دست پنے سے الگ نہیں۔ دست پناہ ہاتھ سے جدا نہیں۔

وہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے۔ کہ جب بندہ میرا قرب حاصل کر
ہے۔ تو میں اسکا ہاتھ بنجاتا ہوں۔ جس سے پکڑتا ہے۔ میں اس ایسا
ہوجاتا ہوں۔ جس سے بولتا ہے۔
الا ہے۔

کی آنکھ بنجاتا ہوں۔ جس سے دیکھتا ہے۔ دست پناہ پر بالکل صادق ہے۔ دستِ پناہ دست انسان سے حاصل ہو کر ہاتھ ہی کا سا کام کرنے لگتا ہے۔ مگر نہ ہاتھوں کو دست پناہ کہہ سکتے ہیں۔ نہ دست پناہ کو ہاتھ سمجھا جاتا ہے۔

شکل میں۔ صورت میں۔ ذات میں۔ صفات میں۔ ہر طرح ہاتھ اور

دست پناہ میں فرق اور تفاوت ہے۔ مگر عمل اور فعل میں قرب و وصل کے وقت دونو یکساں ہیں۔

دست پناہ کا بھائی قفل کنجی جسکی نگاہ سے گزرا ہو، اس سے پوچھ لو۔ وہاں بھی ہاتھ اور کنجی کی حرکت جنبش گردش یکساں ہوتی ہے، کیا مجال کہ ہاتھ کی گردش اور کنجی کی گردش میں ذرا سا فضل بھی ہو۔ قفل کنجی سے کھلتا ہے۔ کہنے والے یہی کہتے ہیں کہ کنجی نے قفل کھولا۔ مگر کرشمہ سارا ہاتھ کا ہے۔ نہ وہ ہوتا نہ کنجی قفل کھول سکتی۔

دست پناہ بھی ہاتھ کا محتاج ہے۔ گو ہاتھ دست پناہ کا محتاج نہیں۔ اس کے بغیر بھی کبھی کبھی اپنا کام دکھا دیتا ہے۔ لیکن عادت عام طور سے یہی ہے کہ ہاتھ ایک ذریعہ اور وسیلہ سے کام کرے، اور اس وسیلہ کو اپنی پناہ کا نام دے۔

درحقیقت وہ ہاتھ کی ایسی پناہ نہیں ہے۔ جسکے بغیر ہاتھ کچھ کر ہی نہ سکتا ہو۔ کیونکہ خود دست پناہ ہاتھ کی بنائی ہوئی مخلوق ہے۔ خالق مخلوق کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ مخلوق اسکی دست نگر ہوتی ہے۔

دست پناہ مثال ہے ایک فطرت اللہ کی جس میں تبدیلی نہیں ہے۔ کیونکہ خدا نے قرآن شریف میں فرمایا کہ عادات اور فطرت میں کبھی تبدیلی اور تغیر نہیں ہوا کرتا۔ اس واسطے ہاتھ بھی [illegible] اللہ کے ماتحت دست پناہ سے کام لیتا ہے۔ اور [illegible] کہ انسان بھی اولیاء اللہ بندوں کی اس کارگزاری پر [illegible] گئے۔ جو ہاتھ اور دست پناہ کے مابین نظر آیا کرتی ہے یعنی تسلیم کرے کہ خدا کے مقبول بندے خدا کے ہاتھوں میں دست پناہ کی طرح کام کرتے ہیں۔ وہ خدا کے ہاتھ کی پناہ نہیں مگر مخلوقات کی پناہ ضرور ہوتے ہیں اور مشیت کے کاروبار ان کے افعال ان کے اعمال اور ان کے خیالوں اور ان کی زبانوں سے پورے کئے جاتے

ہیں ÷

صوفی کا عارفانہ بیان سُن کر عاشق مزاج رند خراباتی کا اظہار سُن لینا۔ وہ کہے گا اور سینہ تھام کر دل دبوچ کر آہ کو ہونٹوں میں دبا کر اور بے قرارانہ اُف اُف کو منہ سے نکال کر کہے گا۔ دست پناہ سچا عاشق ہے۔ ہاتھ کو دل دیا تھا۔ کبھی اس سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ دوڑ دوڑ کر آگ میں کُودتا ہے۔ اور اشارۂ یار پر سر کے بل قربان ہوتا ہے سامنے کوئی معشوق دلرُبا ہوُا۔ تو وہ اپنی زبان شوخ بیان میں کچھ اور ہی گفتگو کرے گا۔ ک

دست پناہ کیسا کالا کلوٹا۔ کیسا بدقطع اور کیسا سنگدل ہے۔ ایندھن بچارے کو چُن چُن کر آگ میں بھرتا ہے۔ خیال کرتا ہوگا۔ باورچی خانہ میں اس کے پیارے ہاتھ کے یہ اُپلے لکڑیاں۔ کوئلے سب رقیب ہیں۔ انکو جس طرح بن پڑے آگ میں بھونک دینا چاہیئے۔

بیسویں صدی کا کوئی سیاست دان موجود ہوُا۔ تو دست پناہ اس کو ایک پولیٹکل مثال دکھائی دیگا۔ وہ کہیگا۔ کوئی ملک ترقی نہیں کرسکتا۔ جبتک کہ اس کے گورے کالے۔ ادنے اعلی۔ چھوٹے بڑے خدمت اور ادائے فرض میں ہاتھ اور دست پناہ کی طرح متحد نہ ہوجائیں۔ اور ان کا عمل ایسا یکجہتی سے نہ ہو جیسا ان دونو کا ہے۔ حالانکہ ایک کالا ہے۔ اور ایک گورا ہے۔ ایک بیجان ہے دوسرا جاندار ہے۔ ایک یہ سمجھتا ہے کہ میری محنت میرے کام آئے گی دوسرا اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ (یعنے دست پناہ جلیگا۔ اور ہاتھ اسکی مدد سے پکایا ہوُا کھانا کھائے گا) مگر کچھ پرواہ نہیں کرتا اور برابر اپنا فرض تن دہی اور مستعدی سے ادا کرتا رہتا ہے

ایسا ہی حسب افراد ملک اگر مل جل کر بلا خیال نتائج و بلا خواہش اغراض ذاتی کریں۔ تو وہ ملک نہال نہال ہو جائے۔ اور اس کے سب کام کھانے کی طرح پختہ اور مزیدار ہوں۔ ایک زنانہ حسن اور توجہات سے علیحدہ ہستی کا اردو ادب کے قصر میں مہتمم بالشان استقبال کرانا تھا۔ کرا دیا۔ یونہی خاکساروں اور بے وقاروں کو آہستہ آہستہ کبھی کبھی قلم کے سہارے میدان تخیل میں لایا جاتا رہا۔ تو ادب اردو کا ذخیرہ پھٹیوں پھٹیوں تالاب۔ تالہ نالہ دریا اور دریا سمندر ہو جائیگا۔ اور پھر ہم اس میں ہر قسم کے جہاز چلایا کرینگے ؛